میں تجویز پیش کی تھی کہ یہ مذاکرہ پاکستان میں منعقد ہو، صدر نے اس تجویز کو پذیرائی بخشی۔

اس مذاکرہ کا موضوع تھا "اسلامی قانون اور اجتماعی و اقتصادی ترقی"، مذاکرہ میں فرانس کی جانب سے پروفیسر جورج فشر، ڈاکٹر اے ایم ترکی، پروفیسر جلبیر دے لانوے، پروفیسر یوجین شیفر، پروفیسر ژاں پول شارنے، پروفیسر جے، الیف، ریکس اور جے سی واتاں شریک ہوئے۔ یہ تمام اسکالر فرانس کی جامعات میں تدریس و تحقیق کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور اپنے اپنے موضوعات پر گہری نظر رکھتے ہیں، پاکستان کی جانب سے جن اہل علم و فضل نے اس مذاکرہ میں مقالات پیش کئے اُن میں جسٹس شیخ آفتاب حسین چیف جسٹس فیڈرل شریعت کورٹ، پروفیسر شیخ امتیاز علی، وائس چانسلر قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد، ڈاکٹر محبوب الحق، ڈپٹی چیرمین منصوبہ بندی کمیشن، جناب اے کے بروہی، ریکٹر اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد اور جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

افتتاحی اجلاسوں کے علاوہ اس مذاکرہ کے تین اجلاس ہوئے جن کے موضوعات یہ تھے:

پہلا اجلاس : اسلامی قانون کے مآخذ اس کا کلاسیکی سرمایہ اور دورِ جدید کے مسائل۔

دوسرا اجلاس : امتناع سُود، سرمایہ کاری اور بنکاری۔

تیسرا اجلاس : اسلام میں حقوق انسانی۔

یُوں تو اس مذاکرہ کا ہر اجلاس انتہائی اہمیت کا حامل تھا مگر اس کا آخری اجلاس ان سب اجلاسوں کا ماحصل تھا۔ اس اجلاس میں سب سے پہلے پروفیسر ژاں پول شارنے، نے مقالہ پیش کیا جس کا موضوع تھا "انسانوں کے حقوق اور خواتین کے حقوق"، دوسرا مقالہ جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال کا تھا۔ جنہوں نے اپنے مقالے میں واضح کیا کہ انسانوں کے وہ بنیادی حقوق جن کا مغرب کو اب شعور و ادراک حاصل ہوا ہے آج سے چودہ سو سال پہلے اسلام نے ان کو تسلیم کیا، اور صرف تسلیم ہی نہیں بلکہ انہیں روبہ عمل لایا۔ آخر میں اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ریکٹر جناب اے، کے بروہی نے خطبہ دیا، انہوں

نے اپنے فاضلانہ خطبہ میں مغرب کے سیاسی افکار اور موجودہ آزادی اور حقوق کے تصورات پر اس کے تاریخی پس منظر میں روشنی ڈالتے ہوئے نہایت عالمانہ اور ناقدانہ تجزیہ پیش کیا، انہوں نے واضح کیا کہ ہدایت الٰہی اور ارشادِ نبوی کے بغیر انسان اپنا صحیح مقام متعین نہیں کر سکتا۔ انہوں نے کہا کہ آج دنیا میں جن حقوق کا پرچار کیا جا رہا ہے وہ دراصل مغرب میں صدیوں تک قائم رہنے والے ظالمانہ طرزہائے حکومت کا محض ایک ردِّ عمل ہے۔ اسلام میں ایسے حقوق کا مرجع انسان نہیں بلکہ خالق کائنات ہے۔ جبکہ انسانی نظامہائے حیات میں حقوق اربابِ اختیار کی طرف سے عطا کئے جاتے ہیں اور وہ جب چاہتے ہیں ان میں تنسیخ و ترمیم بھی کرتے ہیں۔

جناب اے کے بروہی کے خطبے سے فرانسیسی محققین سمیت تمام شرکاء بہت محظوظ اور متاثر ہوئے۔

علم حدیث کی ایک عظیم الشان کتاب پر تحقیقی کام

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم الشان تصنیف "التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانیذ" پر مراکش کے ممتاز علماء کرام کی ایک جماعت مراکش کے مشہور محقق الاستاذ السید سعید اعراب کی زیرِ نگرانی تحقیق و تشریح کا کام کر رہی ہے۔ استاذ موصوف نے چوتھے، پانچویں، چھٹے، نویں اور دسویں حصہ کو مرتب کر کے اپنی شرح اور تعلیقات کے ساتھ شائع کیا ہے جبکہ اس کا بارہواں حصہ ابھی زیرِ اشاعت ہے، تکمیل ہونے پر حدیث کی یہ دائرۃ المعارف ستائیس جلدوں تک پہنچ جائے گی اور حدیث کا ایک بہت اہم علمی مرجع ثابت ہوگی، مراکش کی یہ عظیم علمی خدمت شاہ مراکش حسن بن محمد الثانی کی ذاتی دلچسپی کی مرہون ہے۔

نقد و تبصرہ

کتاب : جمعیۃ العلمائے ہند

مولفہ : پروین روزینہ

ناشر : قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت۔ اسلام آباد

صفحات : ۵۰۷

قیمت : ۶۵ روپے

علمی حلقے طویل عرصے سے اس بات کی ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ آزادیٔ ہند کی تحریک میں علماء نے جو کردار ادا کیا ہے، اس کی تفصیلات منظر عام پر آنی چاہئیں۔ اور ان تمام تاریخی دستاویزات کے تحفظ اور اشاعت کا انتظام ہونا چاہیئے جو برصغیر پاک و ہند کی آزادی سے متعلق ہیں، زیر تبصرہ کتاب جو کہ اس سلسلے کی ابتدائی کڑی ہے کافی حد تک اس ضرورت کی تکمیل کرتی ہے۔

ہم اسے اپنی غفلت ہی سے تعبیر کر سکتے ہیں کہ ہمیں جب بھی اپنی قومی اور سیاسی جدوجہد اور تحریکات کے مطالعہ کی ضرورت پیش آئی، تو کبھی اس کا مکمل ریکارڈ ہمارے گھروں اور لائبریریوں میں نہ مل سکا، ہم نے اپنے قومی اور سیاسی ماضی کو ہمیشہ دوسروں، بلکہ حریفوں کے آنگن میں تلاش کیا، ہماری جدوجہد اور عظیم قربانیوں کی داستانیں اغیار کے کتب خانوں سے دستیاب ہوئیں۔

ہماری اس غفلت کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ تاریخ کا وہ حصہ جس سے ہمارا قومی تشخص ابھرتا تھا، دوسری قوموں کو ہم اُسے آئینہ کے طور پر دکھا سکتے تھے اور خود ہماری اپنی نسلیں اس سے بہت کچھ سیکھتیں۔ ان کے عزم و ثبات میں اس سے قوت پیدا ہوتی، وہ دوستوں اور دشمنوں میں آسانی کے ساتھ تمیز کر سکتیں، وہ حصہ ہمارے ہاتھ سے یا تو ضائع ہو گیا، یا اس میں اس حد تک قطع و برید کر دی گئی کہ ہم خود اسے اپنی تاریخ کا ایک حصہ کہتے ہوئے خوف محسوس کرنے لگے۔

یہ حقیقت اگرچہ آج کی نسل سے خاصی حد تک پوشیدہ ہو گئی کہ برصغیر کی تحریکِ آزادی میں پیش قدمی کرنے والے اور سب سے زیادہ قربانیاں دینے والے علمائے دین تھے۔ بلکہ صورتِ حال یہ ہے کہ انگریز کے خلاف آزادی کی تمام تحریکوں کے محرک اور روحِ رواں علمائے حق ہی رہے اور انہی کے ہاتھوں میں قیادت کا منصب رہا، انہوں نے نہ کبھی برسرِ اقتدار طبقے کے آگے سپر ڈالی نہ افہام وتفہیم کی راہ اپنائی، اور نہ مراعات کے طلبگار بن کر کلمۂ حق کہنے میں کسی عذر اور "تاویل" کو روا رکھا۔ سید احمد شہید نے آزادی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جان دے کر جو تسلسل قائم کیا تھا، وہ ہمیں مختلف رنگوں میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک نظر آتا ہے۔ مگر بدقسمتی سے انگریز نے اپنے سو سالہ دورِ اقتدار میں سب سے زیادہ علمائے حق کی کردارکشی کی۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ اس طبقے کا اثر ورسوخ جتنا کم ہو گا ہمارے اقتدار کی مدت اتنی ہی طویل ہو گی۔ وہ اپنے اس مقصد میں اس حد تک کامیاب ہوئے کہ خود ہم لوگ یہ سمجھنے لگے کہ علماء مسلم معاشرے کا ایک غیر ضروری حصہ ہیں۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک کا دور، دورِ غلامی تھا اس دور میں کوئی شخص یہ امید نہیں کر سکتا تھا کہ ایک صدی میں آزادی کی جو تحریکیں چلیں اس میں مسلمانوں نے اور بطورِ خاص علماء نے جو قربانیاں دیں، قومی اور حکومتی سطح پر اسے محفوظ کرنے اور اس کے بعد اس کی ترتیب واشاعت کا اہتمام ہو۔

۱۹۴۷ء سے پہلے بعض اہلِ علم نے انفرادی طور پر اس موضوع پر کچھ کام کیا۔ اُردو میں مولانا سید محمد میاں دیوبندی اور سید طفیل احمد منگلوری کی کتابوں کے علاوہ، علمائے ہند کی سیاسی خدمات پر اور کوئی کتاب رہنمائی کا ذریعہ نہ بن سکی۔

۱۹۴۷ء کے بعد جبکہ برصغیر میں پاکستان کے نام سے ایک آزاد اسلامی مملکت کا قیام عمل میں آگیا، اس بات کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کی جا رہی تھی کہ آزادیٔ ہند کی تحریک میں مسلمانوں نے، اور بالخصوص علماء نے جو کردار ادا کیا ہے، اسے مربوط شکل میں سامنے لایا جائے۔

برصغیر میں علماء کی طرف سے جو سیاسی جدوجہد، منظم اور مربوط شکل میں ہوئی، اس میں نمایاں حصہ